مولانا عبدالماجد دریا بادی

اسلامی تہذیب

اسلام محض ظاہری اعمال کے مجموعہ کا نام نہیں۔ بلا شبہ قانون اور اسلام میں اعمال کو بہت اہم درجہ حاصل ہے۔ فقہ کے سارے دفتر اعمال ہی کے قاعدوں اور ضابطوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ حدیث و قرآن میں بھی عبادات و معاملات کو ٹھیک طرح انجام دینے کی بڑی سخت تاکید آئی ہے۔ لیکن عمل سے بھی بڑھ کر ایک اور شے ہے۔ اور اس کا نام "عقیدہ" ہے۔ کلام مجید میں جہاں جہاں "عملوا الصالحات" آیا ہے وہاں ہر جگہ "آمنو" کو اس مقام پر رکھا ہر حسن عمل کی جڑ ایمان کی صحیح ہے۔ اگر عقیدہ درست نہیں اور ایمان صحیح نہیں تو بڑی سے بڑی نیکی اور بہتر سے بہتر عمل بھی قرآن کی زبان میں "تحبط" یعنی برباد، رائیگاں اور اکارت جانے کا مستحق ہے۔

جسم پر زخم قاتل اور ڈاکو بھی لگاتا ہے اور ڈاکٹر اور جراح بھی۔ عمل دونوں کا بالکل یکساں ہے۔ باوجود اس کے ایک کو ہم اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور دوسرے کو دوست، تکلیف جس قسم اور جس درجہ کی، اجنبیوں اور بیگانوں کے ہاتھ سے پہنچتی ہے۔ بعض اوقات ٹھیک اسی قسم اور اسی درجہ کی، اپنے شفیق والدین اور مہربان استاد کے ہاتھ سے پہنچتی ہے۔ عمل دونوں کی صورتوں میں بالکل ایک ہے۔ مگر پھر یہ کیا ہے کہ ایک سے ہم سخت بدلہ لینا چاہتے ہیں اور دوسرے کے شکر گزار ہوتے ہیں۔ روزمرہ کی ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہر عمل اپنی ظاہری صورت کے ساتھ ایک اندرونی حقیقت بھی رکھتا ہے۔ اور نیکی و بدی اچھائی اور برائی کا حکم جو کچھ لگایا جاتا ہے۔ وہ عمل کی ظاہری صورت پر نہیں۔ بلکہ اس کی اندرونی حقیقت پر ہوتا ہے۔

دین فطرت نے آئین فطرت کے بالکل موافق، اصلی زور اسی اندرونی حقیقت پر دیا ہے۔ اعمال کی ظاہری صورت کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ ایک خاص درجہ اس کا بھی رکھا ہے۔ لیکن سب سے اہمیت اس نے ہر عمل کی اندرونی حقیقت کو دی ہے۔ اس حقیقت کا تعلق انسان کے اعضائے ظاہری سے نہیں۔ بلکہ اس کے قلب، اس کی نیت، اس کے ارادہ سے ہے فلسفی اپنی اصطلاح میں اس شے کو "محرک عمل" کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں اسکا نام "ایمان" ہے۔ اگر ایمان درست نہیں تو بہتر سے بہتر عمل برباد اور بڑی سے بڑی نیکی رائیگاں ہے۔ خیرات مومن بھی کرتے ہیں اور کافر بھی۔ ایثار سے یہ بھی کام لیتے ہیں اور وہ بھی باوجود اسکے ایک کے عمل مقبول رہتے ہیں۔ دوسرے کے مردود یہ کوئی ناانصافی نہیں عین انصاف ہے۔ عمل کی مثال چلنے کی ہے اور ایمان بمنزلہ مقصود کی شناخت اور راہ کی پہچان کے ہیں اگر مسافر نے راہ ٹھیک پہچان لی

ہے تو گو رفتار کتنی ہی سست ہو بہر حال کبھی نہ کبھی منزل تک پہنچ جائے گا۔ یا کم از کم یہ کہ روز بروز اسکے قریب ہوتا جائے گا۔ لیکن اگر سرے سے راہ بھولا ہوا ہے اگر غلط سمت میں چل رہا تو جس قدر چلنے میں ہمت و مستعدی دکھائے گا۔ اس قدر منزل سے دور اور بیگانہ ہوتا جائے گا۔ اور تیز رفتاری و گرم روی اسکے حق میں بجائے رحمت کے وبال جان ثابت ہو گی۔

موجودات میں حقیقت اصلی صرف ایک ہے اللہ، خدا، رب، خالق سب اسی ایک حقیقت اصلی کے نام ہیں۔ انسان کا کام اسی کو جاننا اور اپنی بساط کے موافق پہچاننا ہے۔ مسافر ہستی کا کام اسی منزل تک پہنچنا ہے۔ عدم سے وجود میں آنے اور وجود سے عدم کی طرف واپس جانے غیب سے مشہود میں ظاہر ہونے اور شہود سے غیب میں جانے کی غایت صرف اس قدر ہے کہ اسی مطلوب کی تلاش کی جائے۔ اسی کھوئی ہوئی دولت کو حاصل کیا جائے اور اسی منزل تک پہنچا جائے۔ اس کا نام ایمان ہے۔ اسی کو دولت اسلام کہتے ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ جتنے فرائض انسان پر عائد کئے گئے ہیں۔ سب اسی منزل تک پہنچنے کے راستے اور طریقے ہیں۔ سب اسی مطلوب کے حصول کے وسیلے ہیں یہ مقصود حقیقی اگر صفائی اور مضبوطی کے ساتھ پیش نظر ہے تو ہر عبادت میں لذت محسوس ہو گی۔ ہر حکم و پابندی شریعت ایک خاص معنی و مفہوم رکھے گی اور اگر یہ احساس مقصود سرے سے غائب یا کمزور ہے تو اسی نسبت سے ہر عبادت بار خاطر معلوم ہو گی۔ ہر حکم بے معنی ہو گا۔ خود اپنا نظم زندگی بے ربط نظر آئے گا۔ اور شک و شبہ بے قناعتی اور بے اطمینانی کی چبھن اسی دنیا کی زندگی کو نمونۂ دوزخ بنادے گی۔........ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ دلوں میں راحت، سکون اطمینان یکسوئی قائم رکھنے والی شے صرف یہ ہے کہ اس حقیقت اصلی پر نظر رہے۔ اگر یہ نہیں تو ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے اور پھر اندھیرے کی گھبراہٹیں ہیں۔ اور بدحواسیاں، ٹھوکریں ہیں۔ اور پریشانیاں مسلم کا کام یہ نہ ہونا چاہیئے کہ محض ضابطہ پری کے لئے چند اعمال کو انجام دے خواہ وہ اعمال کتنے ہی اعلیٰ و پسندیدہ ہوں۔ بلکہ اعمال کو اصلی مقصد اور صحیح غرض کے ساتھ انجام دینا چاہیئے۔ اور وہ مقصد و غرض رضائے الٰہی اور صرف رضائے الٰہی ہے۔ عبادتیں آج ہم سے گو چھوٹتی جاتی ہیں تاہم اب بھی مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد پابند نکلے گی۔ نماز پڑھنے والوں کی روزہ رکھنے والوں کی آبادی گو بہت گھٹ گئی ہے۔ تاہم ابھی اس درجہ تک نہیں پہنچی ہے کہ اس پر معدوم یا تقریباً معدوم ہونے کا حکم لگا دیا جائے۔ البتہ جو شے اس زمانہ میں عنقا ہو گئی ہے وہ ایمان کی پختگی، نیت کا خلوص، اور ارادہ کی للہیت ہے۔ آج ہم کسی کار خیر میں چندہ دیتے ہیں تو اس لئے کہ چندہ کا اعلان ہو۔ ہماری ناموری ہو۔ اور فلاں فلاں اشخاص سے شکریہ حاصل کریں۔ آج ہم مسجد بنواتے ہیں تو اس لئے کہ خلق میں ہماری ناموری ہو اور مسجد ہماری مسجد کے نام سے مشہور ہو کلمہ حق بھی کبھی کبھی ہماری زبان سے نکلتا ہے۔ مگر وہ بھی اس لئے کہ تحسین کا خلعت اور داد کا صلہ ہاتھ آئے۔ ایسی صورت میں اگر ہمارے اعمال کی برکت اٹھ گئی ہے اگر ہم اپنے حسن عمل کا نتیجہ اس دنیا میں نہیں دیکھتے

تو یہ حیرت کی کوئی بات نہیں۔ کاغذ کے پھولوں کی صنعت و خوشنمائی کی داد پوری طرح دی جا سکتی ہے۔ پر چمن کے قدرتی پھولوں کی مہک اور شادابی تو ان میں آ نہیں سکتی۔ پتھر کی مورت انسان کے خدو خال کی نقل اتار سکتی ہے۔ لیکن خون کی گرمی اور زندگی کی سانس کہاں سے لا سکتی ہے؟

حقیقت اصلیہ کے جتنے بعید پر تو قدرت کاملہ کے جتنے ادنیٰ نمونے وجود مطلق کے جتنے تحتانی مظاہر موجود ہے۔ وہ سب کے سب مظہر فوقانی تعین اول کے آئینہ بردار، اس کے راز کے امانت دار انسان کے لئے خلق ہوئے ہیں۔ ....(سخر لکم ما فی الارض جمیعا) چرند پرند جمادات و نباتات آب و خاک سب کی آفرینش انسان ہی کے لئے ہوتی ہے۔ لیکن خود انسان نہ اس کے لئے ہے اور نہ اپنے لئے بلکہ وہ تمام تر اسی حقیقت اصلیہ اسی وجود مطلق کے لئے ہے اور یہیں سے کفر و ایمان کی حدیں جدا ہو جاتی ہیں۔ کافر اس دھوکہ میں پڑ جاتا ہے کہ سارا سازوسامان یہ پر تکلف نگار خانہ اسکی ملک و تصرف میں ہے مومن کی نظر منزل مقصود پر ہے وہ راستہ کی دلفریبیوں میں پھنس کر ادھر سے غافل نہیں ہو جاتا۔ وہ متاع الدنیا قلیل۔ کی بھول بھلیاں میں پڑ کر راستہ نہیں گم کر دیتا۔ اس کا یہ عقیدہ قائم رہتا ہے کہ وہ دنیا میں کوئی اپنی ذاتی ہستی کوئی اپنا مستقل وجود لے کر آیا ہی نہیں بلکہ محض خلیفہ نائب گماشتہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا سونا جاگنا چلنا پھرنا کھانا پینا رونا ہنسنا اسکی دوستی و دشمنی رغبت و نفرت صلح و جنگ اور اسکی زندگی و موت جو کچھ بھی ہے سب اپنے اسی واحد مالک اور بے نیاز آقا کی تعمیل ارشاد میں ہے۔.......... قل ان صلاتی و نسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین

دنیا کی ہر شے انسان کے لئے ہے لیکن خود انسان اپنے لئے ایک ذرہ برابر بھی نہیں ہے وہ جو کچھ بھی ہے تمام تر رب کے لئے ہے جب ایک مرتبہ یہ اصولی بات سمجھ میں آ گئی تو زندگی کے دو شعبے دین و دنیا الگ الگ قرار دینے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے۔ مسلم کی دنیا جو کچھ ہے۔ وہ سب اس کے دین میں شامل اور اسی تابع و ماتحت ہے۔ دین سے علیحدہ اگر کوئی دنیا ہے تو وہ شیطان کی دنیا ہے۔ طاغوت کی ہے۔ ناحق و باطل کی ہے۔ مسلم کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہئے۔ جنگ اگر کلمۂ حق کی حمایت حدود ربانی کی حفاظت امر الٰہی کی تعمیل میں ہے تو عین عبادت ہے لیکن اگر وہی جنگ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے ہے تو فتنہ فساد کی شدید ترین معصیت ہے علم کی تحصیل اگر معرفت الٰہی حق شناسی خدمت اسلام کی غرض سے ہے تو افضل ترین شغل ہے۔ لیکن اگر یہ مقصد نہیں تو پھر جہل اور ایسے علم کے درمیان، اسلامی نقطۂ نظر سے ایک رتی برابر بھی فرق نہیں۔

اسلام، یعنی انسان کی فطرت سلیم ہر گز اسکی روادار نہیں کہ ہفتہ میں ایک بار یا چوبیس گھنٹے میں پانچ بار خدا کو چند منٹ کے لئے یاد کر لیا جائے۔ اور باقی سارا وقت دنیا کے مشاغل میں صرف کیا جائے۔ انسان کی فطرت و سرشت تو یہ کہہ رہی ہے کہ عمر کا ہر ہر لمحہ ایک ایک لحظہ اسی ایک دائم و مستقل ہستی کے ساتھ جڑا ہوا رہنا چاہیے۔